خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم

نورِ نبوت و ہدایت | "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" میں بقول مولانا موصوف، نور سے مراد اگر حضورؐ لیے جائیں تو اس نور سے مراد "نورِ نبوت" اور "نورِ ہدایت" ہے۔

علامہ زرقانی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملۂ نبوت اپنی آن بان کے ساتھ وضوح کے درجۂ کمال پر ہے، مومنین اور عارفین کے قلوب کو اپنی شریعتِ غراء کے ذریعے خوب مجلّی اور منوّر کر دیا ہے۔ اس لیے آپؐ کو نور "سراج منیر اور ہادی" کہا گیا ہے۔" (خلاصہ زرقانی ص ۱۴۹/۳، ص ۱۷۱/۳)

گویا کہ امام زرقانی رحؒ کے نزدیک اس نور کے معنی مجازی ہیں، حقیقی نہیں ہیں۔

مولانا مفتی احمد یار صاحب بریلوی | مولانا مفتی احمد یار صاحب بریلویؒ نور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "(ا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کے نور ہونے کے نہ تو یہ معنی ہیں کہ حضورؐ خدا کے نور کا ٹکڑا ہیں (ب) نہ یہ کہ رب کا نور حضورؐ کے نور کا مادہ ہے۔ (ج) نہ یہ کہ حضورؐ خدا کی طرح ازلی، ابدی، ذاتی نور ہیں (د) نہ یہ کہ رب تعالیٰ

حضورؐ میں سرایت کر گیا ہے، تاکہ شرک و کفر لازم آئے۔ آپؐ ایسے ہی نور ہیں جیسا کہ اسلام اور قرآن نور ہیں۔" (رسالہ نور صک مصنفہ مولانا مفتی احمد یار صاحب گجراتی بریلوی)

کنز الایمان بریلوی علماء کی ایک تفسیر کنز الایمان ترجمہ اور تفسیر خزائن العرفان ہے۔ اس میں آیتِ نور کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔" (پ ۶ المائدة ۳)

"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب" (کنز الایمان)

"سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا، کیوں کہ آپؐ سے تاریکیٔ کفر دور ہوئی اور راہِ حق واضح ہوئی۔" (خزائن العرفان)

"وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔" (پ ۲۲ الاحزاب ۶)

"اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا ہے اور چمکا دینے والا نور ہے۔" (کنز الایمان)

"درحقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپؐ کے نورِ نبوت نے پہنچائی اور کفر و شرک کے ظلماتِ شدیدہ کو اپنے نورِ حقیقت افروز سے دور کر دیا اور خلق کے لیے معرفتِ الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کر دیں اور ضلالت کی تاریک وادیوں میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے نورِ ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نورِ نبوت سے ضمائر و ابصار اور قلوب و ارواح کو منور کیا۔"

(خزائن العرفان)

یہ بریلوی علمائے کرام کی شہادتیں ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ نور روشنی کو کہتے ہیں۔ چونکہ حضورؐ کی نبوت کی روشنی سے کفر کے اندھیرے دور ہوئے اور آپؐ کی ہدایت کی ضیا باریوں سے ضلالت و گمراہی کی تاریکیاں کافور ہوئیں، اس لیے مجاز اور استعارہ کے طور پر آپؐ کو نور فرمایا۔ اور بالکل اس طرح، جس طرح قرآن اور اسلام کو نور کہا گیا ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم اور اسلام ایک معنوی روشنی کا نام ہے، حقیقی نور کا نام نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی "سراجاً منیرا" کے تحت لکھتے ہیں:

"وَيَقْتَبِسُ مِنْ نُوْرِهٖ أَنْوَارُ الْبَصَائِرِ۔" (رسالہ نور مصنفہ مفتی صاحب موصوف)

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور سے بصیرت کے نور حاصل کیے جاتے ہیں۔"

مفیض اور مستفیض میں مناسبت

نورانی تقریر کے محترم مؤلف نے حضور ﷺ کے نور ہونے اور صورتِ بشری میں تشریف لانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حق تعالیٰ غایت تجرد اور نہایت تنزہ میں ہے' اور نفوسِ بشریہ" مادہ اور ہیولیٰ کی کدورتوں میں مستغرق ہے۔ لہٰذا مفیض اور مستفیض میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے.... اس لئے ایک جہت آپ ﷺ کی نورانیت کی ہے'.... دوسری جہت آپ ﷺ کی صورتِ بشری ہے"۔ (خلاصہ ص ۲ نورانی تقریر)

مولانا موصوف سے کافی حسنِ ظن رکھتا ہوں' لیکن موصوف جب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو صدمہ ہوتا ہے۔ علامہ محترم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے خوانِ کرم کا فیضان ان تمام طبعی مناسبتوں سے آزاد ہوکر جاری ہے' شہد کی مکھی اور زمین تک اس کی وحی کا سلسلہ جاری ہے:

"وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ"۔(سورہ نحل رکوع ۹)

"اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی"۔

"بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا"(سورہ زلزال)

"کیونکہ تیرے رب نے اس (زمین) کی طرف وحی کی"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی:

"اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ" (طٰهٰ رکوع نمبر ۲) "یاد کرو جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی بھیجی"۔

زمین کی پستیوں پر بس نہیں' آسمان کی فضاؤں کو بھی وحی ہوتی ہے:

"وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا" (سورت حٰمٓ) "اور ہر آسمان کو اس کے امور کی وحی بھیجی"۔

بلکہ ہر نفسِ انسانی کو الہام ہوتا ہے:

"فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا"

"ہر نفسِ انسانی کو اس کی نافرمانی اور تقویٰ کا الہام کردیا"۔

دیکھ لیا آپ نے کہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان کس طرح بلا واسطہ فیضانِ وحی جاری ہے۔ وحی الٰہی اس خاکِ سیاہ سے بھی تعلق رکھتی ہے جو خاکی بشر کے لئے مادہ اور مرزوبوم تھی۔ اس کے علاوہ فیضانِ الٰہی کا کوئی ایک ہی رخ نہیں ہے' بلکہ ہزاروں ہیں۔ اس لئے اس کا فیضان ہر آن اور ہر جگہ جاری ہے اور اس کی تمام مخلوق اس سے استفادہ کر رہی ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی شے کے لئے بھی یہ پاپڑ نہیں بیلے گئے کہ اس میں ایک طرف نورانیت اور دوسری طرف ہر شے کا اپنا طبعی اور مادی پہلو باقی رہے' اور پھر ان میں باہمی ہم آہنگی پیدا کر کے ان کو اللہ سے استفادہ کرنے کی راہ دکھائی جائے۔ غالبًا یہ ظالم لوگ اللہ کو بھی انہی وسائل اور ذرائع کے سامنے عاجز تسلیم کرتے ہیں جن کے یہ خود صیدِ زبوں ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام تکلفات سے پاک اور بلند ہے۔

اس کے علاوہ جس نورانیت کا یہ لوگ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں ' اللہ کے لئے اس کی نسبت مجازی ہے' حقیقی نہیں ہے۔ ویسے یہ ایک حقیقت ہے کہ جن انوار کے پرتو سے آپ کی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں' وہ سب ہی مخلوق ہیں اور اللہ کے نور سے ان کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ دراصل یہ تمام طفیلی اور وسیلوں کے مارے لوگ رب کو بھی اپنے پر قیاس کر رہے ہیں ' حالانکہ مخلوق کو اپنے خالق سے قطعاً کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور نہ کسی اعتبار اور درجہ میں اس کو اس سے مماثلت حاصل ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" "اس جیسا کوئی نہیں ہے"۔

خالق اور مخلوق کے مابین جو مناسبت ہے' وہ صرف یہ ہے کہ وہ خالق ہے اور یہ اس کی مخلوق ہے' اور اسے ذاتِ پاک سے استفادہ کرنے کے لئے اتنی ہی مناسبت از بس ہے۔ مگر ان کو یہ بات قطعاً سمجھ نہیں آئے گی۔ تاہم ہم ابنِ آدم کے اس نوری پہلو کی وضاحت بھی کئے دیتے ہیں' جو بریلوی دوستوں کے لئے وجہ مغالطہ بنا ہوا ہے کہ حضور ﷺ کو بشر ہونے کے باوجود اگر نور کہا گیا تو کیوں کہا گیا؟ اور اگر ابنِ آدم میں انوار و تجلیات کی جھلکیاں دکھائی دینے لگتی ہیں' تو اس کی کیا وجہ ہے؟

شاہ ولی اللہ کا نظریہ :

نورانی تقریر کے فاضل مؤلف نے اللہ سے استفادہ کر کے بندگانِ الٰہی کو فائدہ پہنچانے کے لئے مفیض اور مستفیض کے مابین جس مناسبت کو پیدا کرنے کی کوشش ہے' وہ بالکل تحصیلِ حاصل ہے۔ کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح کی ہے کہ اتنی سے مناسبت ہر ابنِ آدم میں رکھی گئی ہے ۔ چنانچہ وہ اپنے مشہور رسالہ "تاویل الاحادیث" میں لکھتے ہیں کہ :"اس میں ملائکہ سے مناسبت رکھنے والی روحانیت بھی رکھی گئی ہے کہ اس کی بناء پر وہ الہام کا مستحق ہو' اور بہیمت کی روحانیت بھی کہ غذا کی بہتات سے جو ایسے ویسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں' ان سے تعلق رکھ سکے"۔ (ملاحظہ ہو تاویل الاحادیث)

ابنِ آدم میں نور کا پہلو

چونکہ عموماً جتنے کام ہوتے ہیں' ملائکہ کے واسطے سے ہوتے ہیں' اس لئے یہاں اتنی سی مناسبت کافی تصور کر لی گئی۔ باقی رہی اللہ میاں سے مناسبت' سو اس کے لئے اس سے عہدِ غلامی کے سوا اور کسی مناسبت کی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ اس ذاتِ پاک سے کسی دوسری طبعی قسم کی مماثلت پیدا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ بے مثال اور بے نظیر ہے۔ بہرحال حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جو تصور پیش کیا ہے' اس کی تائید مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے '

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ"۔ (الحدید:۱۹) "جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں' وہی لوگ صدیق اور شہداء (کا رتبہ پاتے ہیں) ان کے لئے ان کا اجر بھی ہے اور ان کا نور بھی"۔

"ان کا نور" سے کیا مراد ہے ؟ کوئی معنوی اور عملی نور ہے یا وہ نور جو جوہرِ انسانیت کے طبعی وجود میں پایا جاتا ہے ؟ ہمارے نزدیک یہ دونوں ہی صحیح ہیں ۔ کیونکہ یہ دونوں کا حامل ہے۔ طبعی جوہر کے وجود میں جو نور پایا جاتا ہے' اگر اسے نورِ عمل کی ماچس کی تیلی دکھائی جائے تو وہ نور علیٰ نور ہوکر انسان کو بجائے خود مجسمہ نور بنادیتا ہے۔ ورنہ اعمالِ بد کی آندھیوں سے یہ طبعی نور بھی

اسی طرح بجھ جاتا ہے، جس طرح کسی مینار پر رکھا ہوا چراغ ہوا کے تند و تیز جھونکوں سے بجھ جاتا ہے۔ "ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ"!

فلاسفہ قدیم کا نظریہ:

ہمارے فاضل بزرگ نے جا بجا فلسفہ اور منطق کی بعض تک بندیوں سے بھی کام لیا ہے، اور جہاں اور جس موقعہ پر وہ بات کہی گئی ہے اس کا ہمارے متنازع فیہ مسئلہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ ہاں بعض قدیم فلاسفہ نے "ابنِ آدم" کے چہرہ سے نقاب اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر دیانتداری سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو تمام اوہام پرست اقوام کو یہ دیکھ کر حیرت کا سامنا کرنا پڑے گا کہ خاکی پتلے کے اس خاکدان میں جو چراغ جلتا ہوا نظر آتا ہے، وہ کیا ہے؟ بلکہ جو بشریت ان کو انسان کے حق میں ایک الزام اور تہمت محسوس ہونے لگتی ہے، وہ ان کو بجائے خود ان کے لئے حق تعالیٰ کا قابلِ صد رشک انعام دکھائی دینے لگے اور اس کا بھی ان کو اندازہ ہوجائے کہ یہ خاکی، نوریوں کا کیوں مسجود بنا اور نوریوں کے حیرت و استعجاب کے باوجود خالقِ اکبر اس کی تخلیق پر کیوں مصر رہا اور کیوں اس کو سب سے مکرم اور محترم بنایا؟

وجود کے تین درجے:

اثولوجیا نامی ایک کتاب ارسطا طالیس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ یہ کتاب دراصل افلوطین کی کتاب التساعات کے کچھ حصہ کا عربی ترجمہ ہے۔ اس میں بہت ہی عجیب مباحث ملتے ہیں۔ چنانچہ اثولوجیا(م رابع) میں وجودِ جسمی، وجودِ نفسی اور وجودِ روحانی سے بھی بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وجودِ جسمی کا مثالی وجود، وجودِ نفسی ہوتا ہے۔ وجودِ جسمی کثیف مادہ سے بنتا ہے، اور وجودِ نفسی لطیف مادہ سے تیار ہوتا ہے اور یہ وجودِ نفسی عالمِ مثال میں ایک لطیف اور مثالی وجود ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد اس کا ایک تیسرا بالکل غیر مادی وجود ہوتا ہے، جہاں اس کے اعضاء اور جوارح کا جداگانہ تشخص بالکل معدوم ہوتا ہے۔ اس کو "وجودِ عقلی یا روحانی" کہا جاتا ہے۔ یہ سبیج نورِ محض کی سبیج ہے۔ چنانچہ اثولوجیا (م رابع) میں لکھتے ہیں کہ:

"انّ من وراء هذا العالم سماء وارض وبحر وحيوان ونبات وناس سماويون وكلّ من هٰذا العالم سماوی - انّ هٰذا العالم حسّی کلّه انّما هو مثال وصنم لذلک العالم

فبالحری ان یکون نالک العالم اتمّ تماما واکمل کمالًا لانّہٗ ہوالمفیض من ھٰذاالعالم الحیٰوۃ والقدرۃ والکمال"(م ثامن)

"یعنی اس عالم کے اس پار اور آسمان بھی ہیں۔ اور زمین بھی' دریا بھی ہیں اور جانور بھی' نباتات بھی ہیں اور لوگ بھی۔ اور ان میں سے جو بھی اس عالم میں ہے' وہ آسمانی بھی ہے۔ یعنی یہ عالمِ حسی ' عالمِ عقلی کا سراپا قالب اور مثال ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ وہ عالم زیادہ مکمل اور تام ہو ٔ کیونکہ حیات' قدرت اور کمال کا یہی سرچشمہ ہے"۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"**انّ الانسان الحسّی انّماھو صنم للانسان العقلی والانسان العقلی روحانی وجمیع اعضائہٖ روحانیۃ**" (م رابع) "یعنی حسّی انسان (جسمی وجود) انسانِ عقلی (روحانی وجود) کا قالب ہے۔ اور انسانِ عقلی روحانی ہے اور اس کے تمام جوارح اور اعضاء (بھی) روحانی ہیں"۔

پھر فرمایا:

"انّ کلّ صورۃ طبیعیۃ فی ھذاالعالم انّھا ھناک بنوع افضل واعلیٰ ذالک انّھا ھٰھنا متعلقۃ بالھیولیٰ وکلّ صورتہ طبیعیۃ فھی صنم للصّورۃ الّتی ھنا ک" (اثولوجیا۔ م عاشر) "یعنی جو بھی طبعی صورت اس عالمِ (حسی) میں ہے' وہی اس عالِم (عقلی) میں اس سے زیادہ افضل اور اعلیٰ صورت میں موجود ہے۔کیونکہ وہ مادہ سے وابستہ ہے اور وہاں مادہ کے بغیر ہے۔اور (اس عالمِ حسی کی) ہر طبعی صورت ' اس صورتِ (عقلی) کا قالب اور مثال ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "عالمِ مثال" (عالمِ مثال ایک شفاف شیشہ ہے جس میں غیر مجسم اور غیر جاندار اشیاء' اعراض و نیکی و بدی وغیرہ اپنی مناسب شکل میں اس میں منعکس ہوتی ہیں) پر جو تفصیل پیش کی ہے اس کا بھی مطالعہ کرلیا جائے تو ان تصریحات کے سمجھنے میں آپ کو کافی مدد ملے گی۔ بہرحال اثولوجیا کے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر وجودِ نفسی

اور وجودِ روحانی (عقلی) کا واقعی کوئی وجود ہے' تو پھر اس میں صرف حضور ﷺ کی خصوصیت نہ رہی' بلکہ تمام بشر بلکہ سارے عالم بھی نوری بنے۔ اور وجودِ حسی کا جو لباس ان کو ملا ہے' وہ محض اس وجودِ نفسی اور عقلی کا قالب ہے' حقیقت نہیں ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ گو بشر سارے نوری ہیں' مگر حضورؐ کی نورانیت کا جو خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے' وہ اس لئے ہے کہ دوسرے انسان اپنے وجودِ عقلی اور روحانی (نوری) کو اپنے وجودِ جسمی کے قالب میں لاکر کم ہی محفوظ اور بے داغ رکھ پاتے ہیں' لیکن انبیائے کرام علیہم السلام اس تہمت سے محفوظ اور سلامت رہتے ہیں۔ اس لئے بالخصوص تشریفاً و تکریماً ان کے نام کے ساتھ "نوری" کا اضافہ مناسب سمجھا گیا' تو ہمارے خیال میں یہ بے جا نہ ہوگا۔۔۔۔۔ لیکن یہ تصور بریلوی دوستوں کے لئے کچھ زیادہ خوش آئند نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہاں بحث یہ نہیں کہ دوسرے عالم میں اس عالمِ ہست و بود اور رنگ و بو کی تصویر کیا ہے؟ یا وجودِ جسمی کے اس کیمرہ میں جو روحانی وجود منعکس ہوا ہے' اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ اس میں ہم سبھی کا معاملہ یکساں ہے۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ وجودِ نفسی اور روحانی کو وجودِ جسمی کے ذریعے جو نوعی تشخصات حاصل ہوئے ہیں' وہ اپنے اس نوعی وجود میں خالص ہیں یا نہیں؟ قرآنِ حمید کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ اپنے اس نوعی تشخص یعنی بشریت میں خالص' اور ظاہر اور باطن میں یکساں ہیں۔ کیونکہ "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ" "میں صرف بشر ہی ہوں" کا جملہ واضح ہے۔ عربی میں "انما" حصر کے لئے آتا ہے۔ حصر کے معنی میں دوسرے احتمال کی گنجائش باقی نہیں رہا کرتی۔

ہمارے نزدیک وجودِ عقلی کی ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ "عدم" تاریکِ محض ہے' اور "وجود" وضوح اور روشنی کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ اس لئے "عدم" کے بعد جب "وجود" نے کروٹ لی تو اس کو نور' روشنی اور وضوح سے تعبیر کیا گیا' حالانکہ اس سے نورِ متعارف مراد نہیں ہے۔ عدم اور وجود کے اس تقابل کی بناء پر کالی اور گھٹا ٹوپ اندھیری رات کو بھی' جو متعارف معنی کے لحاظ سے ایک تاریکی ہے' نور اور روشنی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ زمین بھی اسی نوع کی چیز ہے۔ اس لئے عالمِ مثال (وجودِ نفسی) اور عقلی وجود کو' جو محض عدم کے بعد ظہور کا بالکل ابتدائی عکس اور پرتو

ہے، جس کے اس ابتدائی چوکھٹہ سے نوعی تشخصات اور وجودِ جسمی کا انتزاع ہوا ہے، نورِ مجرد اور وضوح کہا گیا ہے۔ اور ازل میں قلم نے ہست و بود کے اس خاکہ میں جو رنگ بھرا تھا، اسے بھی آپ اسی وجودِ عقلی کا ایک ریکارڈ تصور کر سکتے ہیں۔

امید ہے نور کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے مندرجہ بالا سطور میں جو اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے، آپ کو کافی مدد دے گا۔ بہرحال نوعی تشخصات سے قطع نظر دنیا کی ہر چیز نور ہے۔ لیکن نور سے مراد متعارف نور نہیں ہے، بلکہ مختلف مقامات میں اس سے مختلف معنی مراد ہیں۔ یہی چیز حضور ﷺ کے بارے میں ملحوظ رکھیئے!۔ آپ ﷺ کو اگر کہیں نور کہا گیا تو اس سے متعارف نور مراد نہیں لیا گیا۔ کیونکہ وہ نور بظاہر دکھائی نہیں دیتا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کے نوعی تشخص سے آراستہ ہیں۔ اور یہی آپ سے کہلایا گیا کہ آپ ﷺ اپنی زبانِ مبارک سے اپنی اس نوعی حقیقت کا سچا اعلان بھی کر دیں، تاکہ آپ ﷺ کی راہنمائی میں چلنے کے بجائے آپ کو انسان سے مافوق کچھ اور تصور کر کے لوگ آپ ﷺ کی پوجا میں نہ لگ جائیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بشریت:

حضرت مجدد الفِ ثانی سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اہلِ علم بھی تھے اور اہلِ دل بھی۔ آپ کے جو مکتوبات منظرِ عام پر آئے ہیں، ان کا جو حضرات مطالعہ کر چکے ہیں، وہ ہمارے اس بیان اور دعوٰی کی ضرور تائید کریں گے۔ تمام انبیائے کرام اور بالخصوص ہمارے رسولِ عربی ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی بشریت کے بارے میں آپ کا نظریہ بالکل دو ٹوک اور حد درجہ صاف ہے۔ آپ اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

"کلمہ دیگر کہ مخصوص بایں بزرگواراں (انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) است ایں است کہ خود را بشر میدانند مثل سائر مردم۔" (دفتر اول مکتوب نمبر ۶۳ دربیان آنکہ انبیاءؑ در اصولِ دیں متفق اند و مختلف در فروعِ دیں اند)

یعنی "ان بزرگوں (انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا دوسرا مخصوص کلمہ یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح اپنے آپ کو بشر جانتے ہیں"۔

یعنی درسِ توحید کے علاوہ دنیا کو جو اور بات بتاتے ہیں' وہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مافوق الانسان نہیں ہیں ، خلعتِ نبوت کے باوجود وہ صرف انسان ہی ہیں۔ اس کی ضرورت اس لئے پڑا کرتی ہے کہ ان اماماِن ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے اعجازی زندگی کے مشاہدہ کے بعد دنیا اس واہمہ میں پڑ جاتی ہے کہ ایسے پاک لوگ انسانی لباس میں شاید کچھ اور ہی ہوں گے' اس لئے پھر وہ ان کے نقشِ پا کا اتباع کرنے کی بجائے ان کی پرستش میں لگ جاتے ہیں۔

حضرت سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کرتے ہیں کہ: مانا! سب بشر ہی سہی' تاہم نفسِ انسانیت میں تو آخر ان میں کچھ نہ کچھ ضرور فرق ہونا چاہیے۔ کیونکہ لوگ لوگ ہیں اور نبی نبی۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس خط میں' جو خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ کے نام تحریر فرمایا تھا' اس میں لکھتے ہیں کہ:

"نمی بینی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات باعامہ در نفسِ انسانیت برابر اندو در حقیقت و ذاتِ متحد' تفاضل باعتبارِ صفاتِ کاملہ آمدہ است و آنکہ صفاتِ کاملہ ندارد گویا ازاں خارج است واز خاص و فضائل آں نوع محروم' بوجود ایں تفاوت و نفسِ انسانیت زیادتی و نقصان راہ نمی یا بد نمی تواں گفت کہ آں انسانیت قابلِ زیادتی و نقصان است" (مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول در بیان بعضے از عقائد کلامیہ)

یعنی "کیا آپ دیکھتے نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور نوعی ماہیت اور ذات میں سب ایک ہیں۔ ایک دوسرے پر (ان کو جو) برتری (حاصل ہے' وہ محض) صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ہے۔ اور جس میں یہ صفاتِ کاملہ نہیں ہیں' وہ گویا کہ اس نوع سے خارج اور اس کے خصائص و فضائل سے محروم ہے۔ اور اس تفاوتِ صفاتیہ کے باوجود نفسِ انسانیت میں کمی بیشی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ کہنا ممکن نہیں رہتا کہ وہ انسانیت کمی و بیشی کے قابل ہے"۔

گویا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے نزدیک بشریت اور انسانیت ایک ایسی

بسیط حقیقت ہے کہ جہاں کمی و بیشی (جو مرکب کا ایک خاصہ ہے) پَر نہیں مار سکتی۔
اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ "اشتراک فی البشریہ" ایک ایسی مسلمہ صداقت ہے کہ کفار کے سوا اور کسی نے بھی اس میں اجنبیت محسوس نہیں کی۔

آپ نے اس امر سے بھی بحث کی ہے کہ انبیائے کرامؑ ملائکہ سے کیوں افضل ہیں ؟ فرمایا:

صرف اس لئے کہ وہ خاکی ہیں۔ خاک میں جو "جوہرِ نمو" ہے، وہ نور کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔

چنانچہ خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ کو لکھتے ہیں کہ :

نبوت و رسالت درجہ است ۔ نبی را کہ مَلک نرسیدہ است وآں درجہ ازراہِ عنصر خاک آمدہ است کہ مخصوص بہ بشر است" (دفتر اول مکتوب نمبر۳۲۵) یعنی "نبوت و رسالت میں نبی کے لئے ایک ایسا درجہ مخصوص ہے کہ وہاں تک فرشتہ کو رسائی نہیں ہو سکی۔ اور وہ درجہ خاکی عنصر کی راہ سے آیا ہے، جو صرف بشر سے مخصوص ہے"۔

گویا کہ خاکی عنصر دوسرے انسانوں کی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کا بھی نوعی اور فطری خمیر ہے، جو صرف بشریت کا خاصہ ہے، اس لئے کوئی بھی بشر اس سے آزاد نہیں ہے۔

باقی یہ وہم رہ جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبوت اور رسالت سے سرفرازی کے بعد شاید ماہیت ہی تبدیل ہو جاتی ہو؟ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ صفات و خصائصِ بشریت کا ارتفاع کسی بشر سے بھی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ آپ مولانا حسن دہلوی کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ :

"وارتفاع صفاتِ بشریت بالکل در کلی ممکن نیست ۔ چہ درخواص وچہ دراخص خواص" (دفتر سوم ۔ مکتوب نمبر ۳/۲۲۱ دربیان حقائق انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسّلام کالظلال اند) "اور "کلی" سے صفاتِ بشریت کا بالکلیہ ازالہ ناممکن ہے، خواہ کسے باشد !"

اس کے بعد آپ نے یہ بتایا ہے کہ صفاتِ بشریت کا ارتفاع ہو جائے تو وہ ممکن نہ رہے، بلکہ واجب ہو جائے : "وآں محالِ عقلی و شرعی است" (مکتوب مذکور) اور "یہ عقلاً و

شرعاً محال ہے"۔ گو سب انبیاءؑ میں ہمارے حضور ﷺ بھی شامل ہیں' تاہم آپ نے الگ بھی آپ ﷺ کا ذکر فرمایا ہے کہ :

"اے برادر! محمد رسول اللہ ﷺ باآں علوشان بشربودو بداغ حدوث و امکال متسم"۔
"(مکتوب نمبر ۱/۱۷۳ بنام میر محمد نعمان)

"اے بھائی شان کی اس بلندی و رفعت کے باوجود حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وٰالہ وسلم بشر تھے"۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ : "حدوث و امکان سے بھی آپ ﷺ متصف تھے"۔

اس کے بعد فرمایا :

"خالقِ بشر جلّ سلطانہٗ چہ دریا بدو ممکن از واجب تعالیٰ چہ فراگیرد وحادث قدیم را جلب عظمت چہ طور احاطہ کند"۔

"یعنی بھلا بشر' خالقِ بشر کی کنہ کیسے پا سکتا ہے اور ممکن واجب تعالیٰ کو کیونکر معلوم کر سکتا ہے۔ اور حادث قدیم کو کیسے محیط کر سکتا ہے ؟"

یعنی حضور ﷺ انسان تھے' نور نہیں تھے۔ حادث تھے' قدیم نہیں تھے۔ اگر اللہ کا نور ہوتے تو قدیم ہوتے' کیونکہ اللہ کا نور قدیم ہے۔ اگر آپؐ نورِ اللہ ہوتے تو آپؐ کے لئے اللہ کی کنہ تک رسائی محال نہ ہوتی' ممکن ہوتی۔ کیونکہ اپنے آپ تک رسائی آسان و ممکن ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ نور مخلوق اور حادث ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے اپنی بشریت کا بھی اعلان کرایا تھا:

"حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ حبیبِ خودرا ﷺ بہ آکد وجہ امرے فرماید باظہارِ بشریتِ خود۔ کما قال سبحانہٗ و تعالیٰ: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَایتان لفظ "مِثْلُكُمْ" از برائے تاکیدِ بشریت است"۔ (مکتوب ۱/۱۷۳ بنام میر محمد علی خان) "یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بشریت کے لئے بڑی تاکید فرمائی' جیسا کہ قرآن میں ہے "فرما دیجئے کہ "میں تمہاری طرح کا بشر ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے"۔ لفظ "مثلکم" بشریت کی تاکید کے لئے ہے"۔

"مثلکم" کے یہ معنی کہ "وہ تمہاری مثل ہیں، حقیقت نہیں ہیں" غلط معنی ہیں۔ حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بشر کے بعد "مثلکم" کو بشریت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی کوئی اور بشر نہیں، جیسے تم ہو ویسے میں ہوں۔ دفتر سوم مکتوب نمبر۱۲۲ ص ۲۳۹ میں آپ نے بشریت کو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے لئے ننگ یا کسرِ شان نہیں قرار دیا، بلکہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیت کے شایانِ شان بتایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کا افسانہ

نوری تقریر کے محترم مؤلف نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے نوری ہونے کے ثبوت کے لئے ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اس سے پہلے ہم واعظ ٹائپ کے بزرگوں سے جب اس سایہ کے افسانے کا ذکر سنتے تھے تو ان کو غیر ذمہ دار لوگ سمجھ کر سنی اَن سنی کر دیتے تھے۔ لیکن نورانی تقریر کے مؤلف جو ایک درسگاہ میں مدرس بھی ہیں، ان کے منہ سے ایسی بے اصل اور بے سند بات سن کر سخت حیرت ہوئی ہے۔

سایہ کے سلسلہ کی روایات سے بحث کرنے سے پہلے ہم بفرضِ محال یوں سوچتے ہیں کہ چلئے آپ کے کہنے کے مطابق آپؐ کا تاریک سایہ نہ سہی، لیکن روشن سایہ موجود تھا۔ نوری تھے تو نورانی ہی سہی، بہرحال کسی نوعیت کا کوئی سایہ تو ہونا چاہئے۔ کیا اور کوئی تھا؟ اگر آپؐ کا نور معنوی قسم کا تھا۔ جیسا کہ ایمان، اسلام اور قرآن ہیں تو ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی سایہ معنوی قسم کا ہی ہوگا۔ اور یہ بات متنازعہ فیہ صورت میں آپ کے لئے مفیدِ مطلب نہیں ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک اگر نہ ہوتا تو یہ ناممکن ہے کہ اس حیرت افزا اعجاز کا کوئی چرچا نہ ہوتا۔ اصول کی کتابوں میں یہ تصریح کی گئی ہے (گو ہم اس اصول کے قائل نہیں ہیں، تاہم حنفی علماء اس کے سامنے جوابدہ ہیں) کہ عمومِ بلوٰے کی صورت میں، متواتر اور مشہور اخبار کے بجائے احا حجت نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب "اصول الشاشی" میں لکھا ہے کہ:

" ومن صور مخالفة الظاهر عدم اشتهار الخبر فيما يعمّ به البلوی فی الصدر الاوّل والثانی لانهم لا يتهمّون بالتقصير فی متابعة السنّة فاذا لم يشتهر الخبر مع شدّة الحاجة و

عموم البلوی کان ذلک علامة عدم صحته"
(المبحث الثانی فی اقسام الخبر فی بیان شروط العمل بخبر الواحد)

یعنی ضرورت کے باوجود کسی روایت اور حدیث کا صدرِ اول اور دوم میں مشہور نہ ہونا اس امر کی علامت ہے کہ وہ روایت صحیح نہیں ہے۔

حنفیہ کے اصولِ فقہ کی مشہور کتاب حسامی میں لکھا ہے کہ: خبرِ واحد اس وقت قبول نہ ہوگی، جب عمومی بلویٰ کی صورت میں ہمارے سامنے آئے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"وکذلک اذا ورد وغیر مخالف للکتاب والسنة المشہورة فی حادثة لاتعم به البلوی" (حسامی مع التعلیق الحامی ٦٦)

عمومِ بلویٰ کا حاصل یہ ہے کہ ایک ایسا واقعہ، جو اگر پیش آجائے تو وہ کسی سے مخفی نہ رہے۔ دواعی شہرت کے موجود ہوں، مگر اس کے باوجود دورِ اول اور دوم میں اس کو شہرت کا درجہ حاصل نہ ہو۔ اس کے بارے میں ایک آدھ روایت سننے میں آئے تو بس سمجھ لیجئے، وہ روایت غلط ہے یا منسوخ ۔ چنانچہ اس کے ذریعے انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کا رد کیا ہے! اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر واقعی دھوپ میں چلتے وقت حضور ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ کا یہ معجزہ زبان زدِ عام ہوتا۔ صرف ایک آدھ آدمی اس کو بیان نہ کرتا، بلکہ جدھر جاتے یہی قصہ ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ سایہ نہ ہونے کی روایت بیان کی تو اس نے، جس نے دل لگی کے طور پر کوئی روایات جمع کیں۔ پھر اس کی زبانی روایت بیان کی، جو آپ ﷺ کے مبارک دور میں نہیں تھا۔ ورنہ اس نے اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے۔ کیا ان حالات میں اس روایت کو کوئی قبول کر سکتا ہے؟

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہادت:

سیرت النبی ﷺ کے مشہور مصنف اور عہدِ حاضر کے نامور مورخ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معجزات کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

"عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔" (سیرت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ۳/۷۷۵) (جاری ہے)